

آؤ ڈراما کریں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

Lata
Raoli

آؤ ڈراما کریں

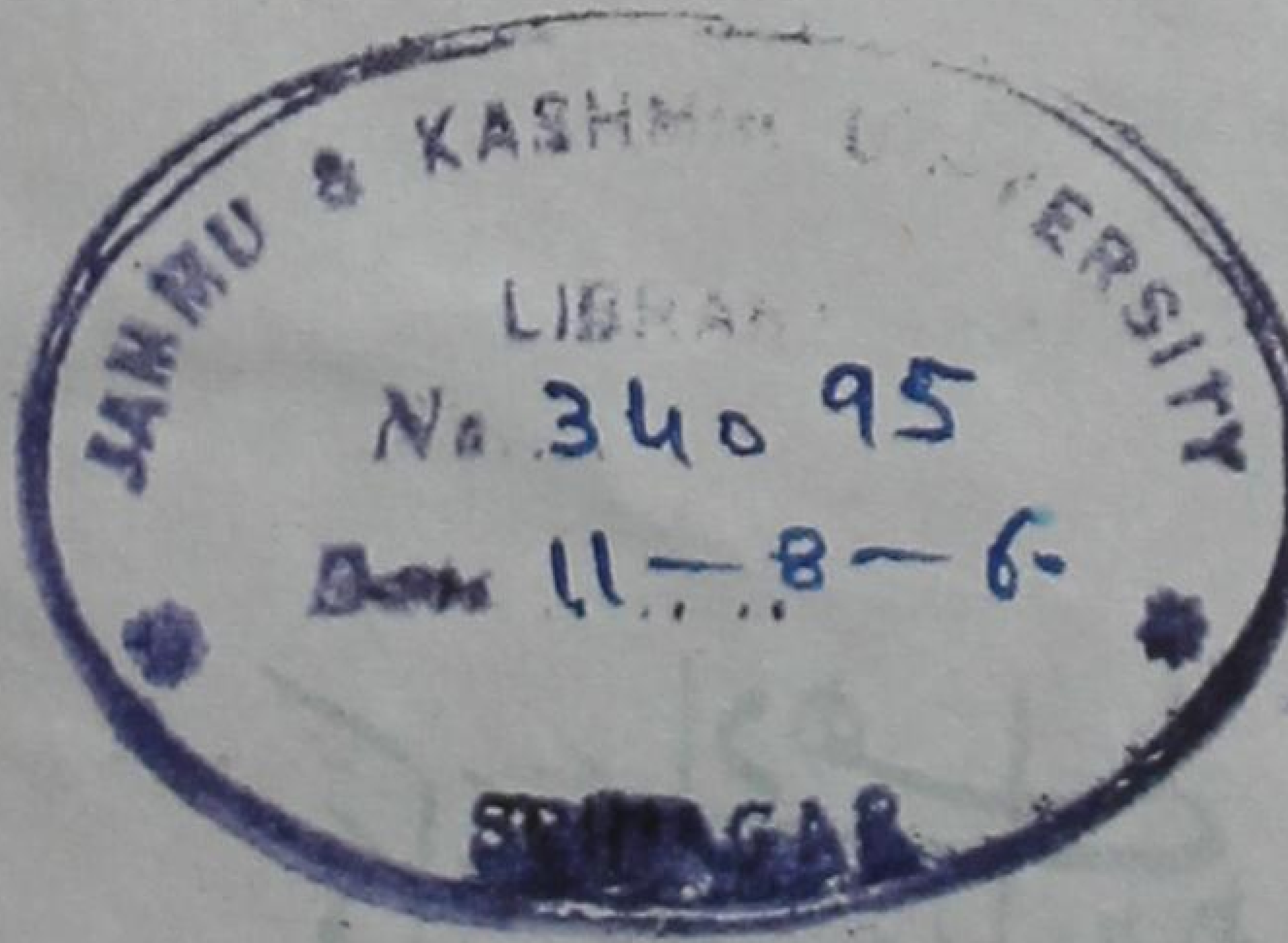
پروفیسر محمد مجیب

پروفیسر محمد مجیب

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

قیمت ۶۰ نئے پیسے

عنوانات



آؤ ڈراما کریں

محمود، خالد، راشد، حفیظ، سلامت، اور نہ جانے کتنے اور سب ایک ہی مدرسے میں پڑھنے والے، تصوّر کے یہاں جمع ہوئے تھے۔ دعوت بڑوں کی تھی۔ یہ سب دُم چھلّے تھے۔ انھیں اچھّے اچھّے کپڑے پہنائے گئے اور میزبان کے گھر لاکر چھوڑ دیا گیا کہ جو چاہو کرو مگر شرارت نہ کرو۔

تھوڑی دیر تک یہ کُودتے پھاندتے رہے۔ پھر چاء پلائی گئی۔ چاء کے بعد یہ پھر کھیلے کودے۔ مگر سردی کا زمانہ تھا اندھیرا جلدی ہو گیا اور یہ سب اندر بُلا لئے گئے۔ یہاں بڑوں کا ساتھ تھا۔ بچّے جو کچھ کرتے وہ شرارت، جو کچھ کہتے وہ شور۔ آخر میں محمود سے نہ رہا گیا۔ اس نے خالد سے کہا: "آؤ بھئی خالد ایک ڈراما کریں"

خالد کو معلوم نہیں تھا کہ ڈراما کسے کہتے ہیں۔ مگر خالی بیٹھے بیٹھے اس کی طبیعت اُکتا گئی تھی۔ کرنے کا نام سُنتے ہی وہ جاگ اُٹھا اُس نے کہا:۔ "آؤ کریں"

محمود نے کہا:۔ "اچھا دیکھو تم ہو بسکٹ والے۔ تم ایک ٹوکری سر پر

لے کر ہانک لگاتے ہوئے آؤ: "کیا میٹھے ہیں بسکٹ! کیا خستہ ہیں بسکٹ!"
میں اور رشید یہاں کھڑے ہوں گے۔ تم سامنے آؤ گے تو میں کہوں گا:
"ارے بھئی کس حساب سے دیتے ہو؟" تم ٹوکری اُٹھا کر زمین پر رکھ دینا
بسکٹوں پر سے کپڑا ہٹا لینا اور مجھے بتانا: "یہ جی پیسے پیسے ہیں، یہ
بڑے دو پیسے کے ہیں۔" اس کے بعد میں بسکٹوں کو دیکھ کر کہوں گا:
"یہ پیسے پیسے والے چار دے دو۔" میں بسکٹ لے لوں گا اور تم کو ٹھینگا
دکھا کر بھاگوں گا۔ تم میرے پیچھے دوڑنا۔ جب تم ذرا دور نکل جاؤ گے
تو راشد تمھاری ٹوکری سے بسکٹ نکال کر گود میں بھر لیں گے اور چمپت
ہو جائیں گے۔ تم تھوڑی دیر بعد آؤ گے تو دیکھو گے کہ آدھی ٹوکری
غائب ہے اور بڑی کھسیانی صورت بناؤ گے اور ٹوکری سر پر رکھ کے پھر
چل دو گے۔ آؤ کرو بڑا مزا آئے گا۔"

خالد نے کچھ سوچ کر کہا: "واہ میں کھسیانی صورت کیوں بناؤں تم
آپ بناؤ۔"

خالد کے ابّا ماجد صاحب محمود کی باتیں کان لگائے سُن رہے تھے۔
خالد نے بسکٹ والا بننے سے انکار کیا تو انھوں نے کہا: "نہیں خالد
اس میں بگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ ڈرامے میں بے وقوف کا پارٹ کرنے
سے کوئی بے وقوف نہیں بن جاتا۔ اگر تم نے بسکٹ اسی طرح بیچے جیسے
بسکٹ والا بیچتا ہے اور دھوکا کھانے کے بعد ایسی صورت بنائی جس سے
معلوم ہو تم نے سچ مچ دھوکا کھایا ہے اور بہت پچھتا رہے ہو تو لوگ کہیں گے
کہ تم بہت ہوشیار ہو اور بسکٹ والے کا پارٹ خوب کرتے ہو۔ تم کو تو
اس پر خوش ہونا چاہیے۔" لیکن خالد کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ وہ چپ رہا۔

پھر محمود نے کہا:۔ "تم اور راشد لڑکے بنو میں بسکٹ والا بنوں گا۔ چچا آپ مجھے ایک ٹوکری دلوا دیجیے۔"

ماجد صاحب اُٹھ کر تصوّر کے والد خورشید صاحب کے پاس گئے جو کچھ دُور بیٹھے تھے اور اُن کے کان میں کچھ کہا:۔ خورشید صاحب مُسکرا کر اُٹھے اور اندر چلے گئے۔

ماجد صاحب نے واپس آکر محمود سے کہا:۔ "اچھا آؤ بھئی محمود، تم کو بسکٹ والے کی صورت بھی تو بنانا ہے۔"

محمود نے کہا:۔ "جی ہاں۔"

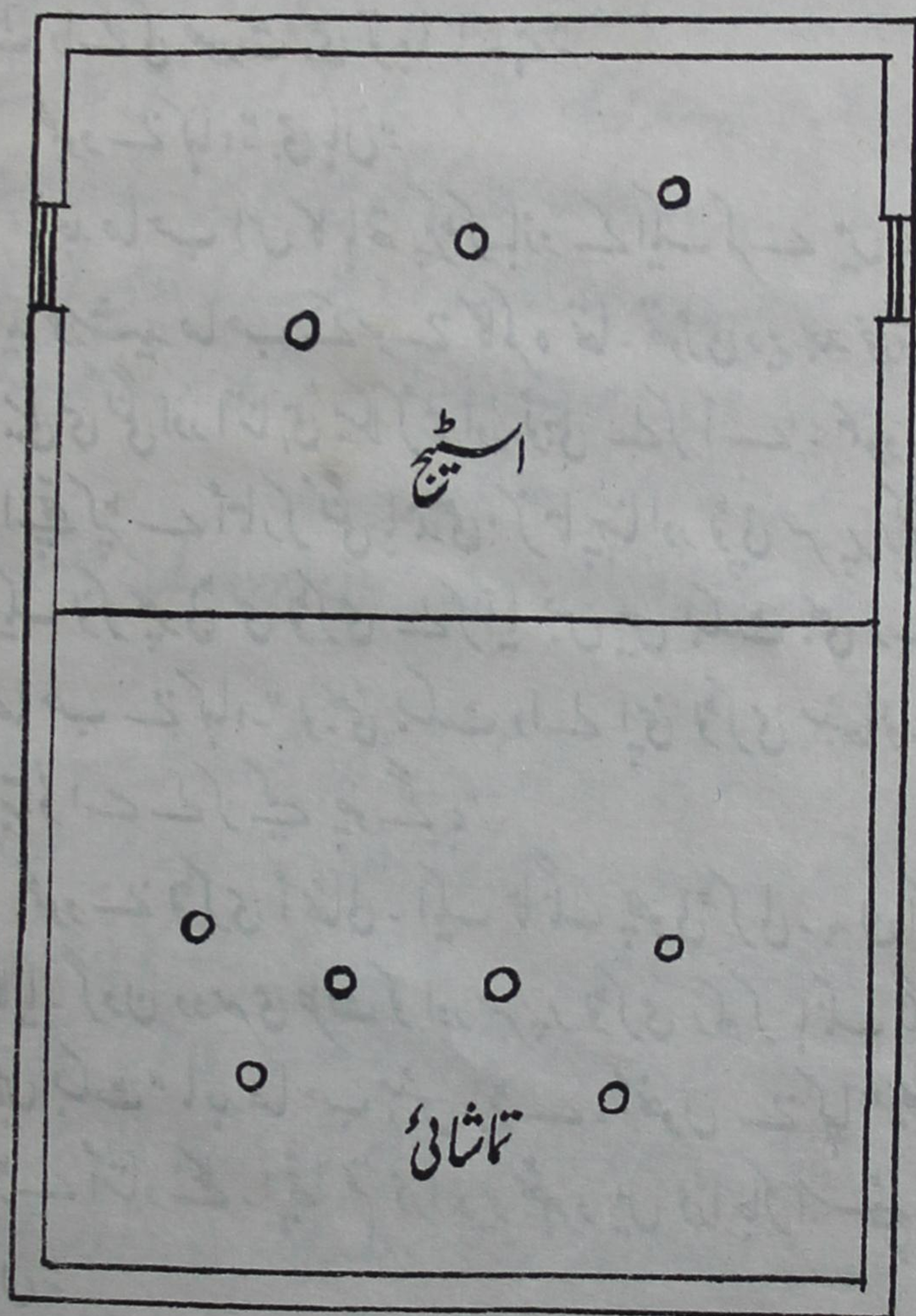
ماجد صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر بازو کے ایک کمرے میں لے گئے۔ یہ شاید خورشید صاحب کے سونے کا کمرہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد خورشید صاحب ایک میلی سی لُنگی اور اتنا ہی میلا کُرتہ اور ٹوپی لے کر آئے۔ محمود نے اپنے اچھے اچھے کپڑے اُتار کر لُنگی باندھی، کُرتا پہنا اور ٹوپی سر پر رکھی اتنے میں ایک نوکر چھوٹی سی ٹوکری لے کر آیا جس میں بسکٹ بھی رکھے تھے۔ ماجد صاحب نے کہا:۔ "لو بھئی بسکٹ والے اپنی ٹوکری سنبھالو۔ اچھا مگر یہ تو بتاؤ اسے لے کر کیسے چلو گے؟"

محمود نے ٹوکری اُٹھالی۔ ایک ٹانگ چھوٹی کرلی۔ بدن ایک طرف کو جھکایا۔ گردن دوسری طرف کو اور سر پر ٹوکری رکھ کر ہانک لگائی: "کیا میٹھے ہیں بسکٹ" ماجد صاحب ہنس پڑے۔ اُنھوں نے کہا "بھئی واہ تم تو بڑے اُستاد نکلے۔ اچھا تم ذرا دیر ٹھہرو میں ذرا جاکر اسٹیج ٹھیک کرآؤں۔"

ماجد صاحب نے جاکر مہمانوں سے کہا:۔ "حضرات! دو تین بچے آپ کو ایک چھوٹا سا ڈراما دکھانا چاہتے ہیں۔ آپ ذرا تکلیف کرکے ایک طرف کو

بیٹھ جائیں جس میں اسٹیج کے لئے جگہ نکل آئے۔"

مہمان خوشی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ماجد صاحب نے اسٹیج کے لئے اس طرح جگہ نکالی:-



مہمان جب ٹھیک سے بیٹھ گئے تو ماجد صاحب خالد اور راشد کو لے کر اس کمرے میں گئے جہاں محمود انتظار کر رہا تھا۔ انھوں نے تینوں کو سامنے کھڑا کر کے کہا: "دیکھو بھئی میں نے تمھارے ڈرامے کے لئے اسٹیج تیّار کرا دیا ہے۔ اس میں دو دروازے ہیں۔ بائیں طرف جو دروازہ ہے۔ اس میں سے پہلے خالد اور راشد باتیں کرتے ہوئے جائیں گے۔ وہ دو چار قدم چلے ہوں گے جب پیچھے سے بسکٹ والے کی ہانک سُنائی دے گی۔ خالد تم راشد کو وہیں کھڑا کر دینا اور خود ذرا آگے جا کر ٹھہر جانا۔ جب بسکٹ والا اندر آجائے اور خالد کے قریب پہنچے تب وہ پوچھیں گے کہ بھئی کس حساب سے دیتے ہو۔ تم راشد اس وقت ذرا بسکٹ والے کی طرف بڑھ آنا مگر اس طرح کہ اس کے اور تماشائیوں کے درمیان نہ آجاؤ۔ اس کا ضرور خیال رکھنا۔ آگے تو تمھیں معلوم ہے نا؟"

تینوں نے کہا: "جی ہاں"

تماشائی سب بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں اسٹیج کی بائیں طرف سے اسکول کے دو لڑکے باتیں کرتے ہوئے آئے۔ اور اُن کے داخل ہوتے ہی ایک ہانک سُنائی دی! "کیا میٹھے ہیں بسکٹ! کیا خستہ ہیں بسکٹ! کرارے ہیں بسکٹ" ایک لڑکے نے دوسرے کی طرف آنکھ ماری اور کہا: "ارے یہی ہے وہ بسکٹ والا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھی کو وہیں روک دیا اور خود ذرا آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں بسکٹ والا داخل ہوا اور اس نے ایک اور ہانک لگائی۔ پہلے نے جو اسٹیج کے بیچ میں کھڑا تھا کہا: "ارے بسکٹ والے ذرا دکھاؤ تو کیسے

بسکٹ ہیں"۔ بسکٹ والے نے سر پر سے ٹوکری اُتارتے ہوئے کہا:۔
"لو، ایسے بسکٹ ہیں کہ شہر میں کہیں نہ ملیں گے۔ خالص گھی کے ہیں۔ ایسے خستہ کہ کھاتے ہی مُنھ میں گھل جائیں۔ یہ پیسے پیسے کے ہیں یہ پیسے کے دو۔ یہ بڑے دو دو پیسے کے۔"

بسکٹ والا لنگڑا کر چلتا تھا۔ کمر ٹیڑھی تھی۔ گردن ٹیڑھی۔ ٹوپی ٹیڑھی۔ اب بسکٹ کے دام بتاتے ہوئے اس نے تماشائیوں کی طرف مُنھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ وہ کانا بھی ہے اور بات کہنے کے بعد ایک طرف کو زبان بھی نکال دیتا ہے۔ تماشائیوں کو یہ سب دیکھ کر خوب مزا آیا اور سب کے جی میں یہ بات آئی کہ اگر لڑکے اس کے ساتھ شرارت کریں تو بڑا اچھا ہو۔

پہلے لڑکے نے جس نے دام پوچھے تھے، اب کہا: "اچھا یہ پیسے پیسے والے چار دے دو" اس نے اپنی جیب میں ایک ہاتھ ڈالا۔ جیسے کوئی پیسے نکالنے کے لئے ڈالتا ہے۔ بسکٹ والے نے اس کے دوسرے ہاتھ میں بسکٹ دے دیئے۔ اور پیسے لینے کے لئے اپنا ہاتھ کھول دیا لڑکے نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھا چھلایا اور اسٹیج کے دوسرے دروازے سے بھاگ کر نکل گیا۔ بسکٹ والا اُٹھا اور لنگڑاتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا، جب وہ دروازے سے نکل گیا تو دوسرے لڑکے نے جو چُپ چاپ کھڑا تھا۔ لپک کر ٹوکری سے بہت سے بسکٹ نکالے۔ کچھ جیبوں میں بھرے کچھ گود میں اور پہلے دروازے سے نکل کر غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد بسکٹ والا ہانپتا کانپتا پھر داخل ہوا۔ اس کی صورت شکل اور چال پر ویسے بھی ہنسی آتی تھی۔ ٹوکری خالی دیکھ کر اس نے جو

کھسیانی صورت بنائی وہ تو بس غضب کی تھی۔ سارے تماشائی ہنسی سے لوٹ گئے۔ وہ تھوڑی آنکھیں بلکہ اپنی ایک آنکھ مچمچاتا رہا پھر ٹوکری اٹھائی اور دوسرے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پھر ایک ہانک لگائی:۔ "کیا میٹھے ہیں بسکٹ! کیا خستہ ہیں بسکٹ! کرارے ہیں بسکٹ" یہ ہانک بھی بڑی سبق آموز تھی کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ بسکٹ والے کی عقل حیران اور ٹوکری خالی ہے۔

ماجد صاحب، محمود، خالد اور راشد کو لے کر اسٹیج پر آئے۔ لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں ماجد صاحب نے کہا:۔ "حضرات! آپ یہ ذرا سا تماشا دیکھ کر سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے بچّوں میں ڈراما کرنے کی کتنی قدرتی استعداد ہے۔ محمود بسکٹ والے کے شوق کو دیکھ کر مجھے بھی شوق ہو گیا ہے کہ ان بچّوں کو ڈرامے کا فن سکھاؤں۔ آپ سے اُمید ہے کہ آپ ان کی ہمّت بڑھاتے رہیں گے۔ اور جب کبھی یہ کوئی ڈراما تیّار کریں تو اُسے دیکھیں گے۔ محمود میں تمھیں سب کی طرف سے مبارکباد دیتا ہوں۔ اب اگر تم خود نہ اُکتا گئے، تو تمھیں ڈراما کرنے کے بہت سے موقعے ملیں گے اور لوگ تمھاری نقلوں کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آئیں گے"۔

محمود پھر لنگڑا، ٹیڑھا اور کانا ہو گیا۔ اس نے ٹوکری سر پر رکھی اور ہانک لگائی۔ اس کے بعد وہ دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور لوگوں نے پھر خوب تالیاں بجائیں۔

●

ڈراما کیا ہے؟

محمود نے بسکٹ والے کی نقل اس خوبی سے کی تھی کہ ماجد صاحب سمجھ گئے کہ اگر شوق دلایا جائے تو وہ بہت اچھی نقلیں کرنے لگے گا۔ وہ اُسے اور اُس کے دوستوں کو اکثر کسی بہانے سے اپنے یہاں بُلاتے، ان کی جھجک دُور کرنے کے لئے خود کبھی کسی کی کبھی کسی کی نقل اُتارتے اور پھر لڑکوں سے پوچھتے کہ بتاؤ میں نے ٹھیک نقل اُتاری یا نہیں۔

ماجد صاحب کی چھ برس کی بچّی رضیہ کو یہ تماشے بہت پسند تھے وہ جب کہیں جاتی تو لوگوں کی صورت، چال ڈھال، بات چیت کے طریقے پر غور کرتی رہتی اور پھر گھر آکر اپنے ابّا کو بتاتی کہ یہ بی بی اس طرح چلتی ہیں۔ وہ بی بی اس طرح بولتی ہیں۔ تھوڑے دنوں میں محمود، راشد اور خالد کو ماننا پڑا کہ رضیہ ان سے کسی بات میں کم نہیں۔

لیکن نقل کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آخر کو سب کا جی اُکتا گیا۔ ایک مرتبہ جب سب ماجد صاحب کے یہاں جمع تھے تو محمود نے کہا:

"ماجد صاحب ایک اسٹیج بنوایئے"۔

ماجد صاحب نے پوچھا:۔

"کیوں؟"

محمود کا منشا صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس کو اب خالی نقلیں اُتارنے میں مزہ نہیں آتا۔ اسٹیج بنوانے کی فرمائش اس نے کچھ سوچ کر نہیں کی تھی۔ لیکن وہ یہ بات اب ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ڈراما کے لئے ایک اسٹیج بھی چاہیے۔"

ماجد صاحب نے کہا:۔

"ہاں اسٹیج بھی چاہیے۔ لیکن وہ اتنا ضروری نہیں۔ جیسے لکھنے کے لئے میز ہو تو اچھا ہے لیکن وہ نہ ہو تب بھی کام چل جاتا ہے۔ اگر آدمی کو لکھنا آتا ہو اور اُسے معلوم ہو کہ لکھنا کیا ہے۔"

"جی ہاں"

"تو اصل میں ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ہم کس کی نقل کریں اور کیوں کریں۔ جب یہ سمجھ میں آجائے گا تو اسٹیج بھی بنالیں گے۔ اب تک تم ایسے لوگوں کی چال ڈھال اور بول چال کی نقل کرتے رہے ہو جو تمھیں عجیب معلوم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ دلچسپ بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز ہوتی ہے "کیفیت" تم نے بسکٹ والے کی نقل کی تھی تو یہ دکھایا تھا کہ وہ خالد کے پیچھے دوڑا تھا اور انھیں پکڑ نہیں پایا۔ اور واپس آکر دیکھا تو خالد نے ٹوکری خالی کردی تھی۔ اس وقت وہ کھسیانا ہوکر رہ گیا۔ یہ اس کی "کیفیت" تھی اور یہ ایک خاص وجہ سے پیدا ہوئی۔ رضیہ جانتی ہو کیسے؟

رضیہ نے زور سے سر ہلایا۔

"جی ہاں اس کے بسکٹ دو شریر لڑکوں نے چُرالئے تھے۔
بہت شریر لڑکوں نے۔ اور اب وہ بے چارے کی نقل اُتارتے ہیں۔
اور اس کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔"

"جناب کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ہم نے سچ مچ کسی بسکٹ والے
کے بسکٹ چُرائے" خالد نے خفا ہو کر کہا:۔

رضیہ نے مُنھ بنا کر جواب دیا:۔

"میں کیا جانوں؟"

ماجد صاحب بیچ میں بول دیئے:۔

مگر میں جانتا ہوں انھوں نے سچ مچ چوری نہیں کی تھی، چوری
کی نقل اس طرح اُتاری تھی کہ معلوم ہوتا تھا اُنھوں نے چوری کی مشق
کی ہے۔ مگر رضیہ بیگم آپ لڑنے جھگڑنے کا قصّہ کسی اور وقت کے لئے
اُٹھا رکھئے۔ مجھے پوری بات کہہ لینے دیجئے۔"

رضیہ معصوم بن کر بیٹھ گئی۔

"جی ابّا جان۔"

"میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ آدمیوں کی شکل و صورت بول چال وغیرہ
کی نقل ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی کیفیت دکھاسکیں۔ یہ کیفیت کسی
خاص وجہ سے کسی خاص موقع پر پیدا ہوتی ہے۔ کوئی لڑکا شرارت
کرتا ہے اور مار کھاتا ہے تو وہ روتا ہے یہ رونا ایک 'کیفیت' ہے۔"
رضیہ سے پھر نہ رہا گیا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا"
"بعض لڑکے ایسے بے شرم ہوتے ہیں کہ مار کھانے پر بھی نہیں
روتے۔"

"یہ بھی ایک کیفیت ہے۔ اس کی نقل اُتارنا البتّہ بہت مشکل ہے
خوشی بھی ایک "کیفیت" ہے۔ موٹا آدمی تیز دوڑنا چاہے اور نہ دوڑ
پائے، یہ بھی ایک "کیفیت" ہے۔ رضیہ بھولی بن کر فساد کی باتیں
کرے۔ یہ بھی ...."

"جی ابّا ...."

اب ذرا سب لوگ رضیہ کی صورت دیکھو۔ صاف معلوم ہوتا ہے
کہ اِن کی کوئی چوری کھول دی گئی ہے۔ چہرے سے حیرت ٹپکتی
ہے۔ آنکھیں مجھے ملامت کرتی ہیں، کہتی ہیں، ابّا جان بھلا آپ کے
دل نے کیسے گوارا کرلیا کہ اپنی لڑکی کی نسبت آپ ایسی بات کہیں"
لیکن مجھے ان آنکھوں میں کوئی اور بھی مُنھ چھپائے، بیٹھا ہوا نظر
آرہا ہے۔ جسے ایسی باتوں میں بڑا لطف آتا ہے۔ اصل میں وہی
ہے رضیہ۔ ظاہر میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ اسی اصل رضیہ
کی بنائی ہوئی جھوٹ موٹ کی کیفیت ہے۔ مگر رضیہ کو ایسی صورت
بنانے میں بڑا کمال ہے۔ جو انھیں جانتا نہ ہو وہ آسانی سے دھوکا
کھا سکتا ہے۔"

لڑکے سب ہنسنے لگے۔ رضیہ نے اپنا مُنھ ہاتھوں میں چھپالیا۔
ماجد صاحب نے کہا:۔

اچھا اب ایک قصّہ سُنو: ایک مرتبہ رضیہ کی امّاں، ہیں، رضیہ اور
اُن کے بھائی شاہد نمائش میں گئے تھے۔ رضیہ اُس زمانے میں دو برس
کی تھیں۔ نیا نیا چلنا سیکھا تھا۔ اس لیے چلنے کا بہت شوق تھا۔ ان کو
شاید خیال تھا کہ چاہے جدھر چلی جائیں اُن کی امّاں جان اور ابّا جان

وقت پر ہاتھ پکڑ لینے اور گود میں اُٹھا لینے کو ضرور پہنچ جائیں گے۔ جب ہم لوگ گھر سے چلے تو یہ بہت خوش تھیں۔ شاہد کو بھی بازاروں اور میلوں کی سیر کرنے کا بہت شوق ہے۔ وہ بھی خوشی سے اُچھل رہے تھے۔ ہم لوگ نمائش میں پہنچے۔ دیر تک چیزیں خریدتے اور گھومتے رہے۔ ایک دوکان پر رضیہ کی ماں اور میں سامان دیکھنے لگے اور رضیہ کا خیال نہیں رہا۔ ایک بار خیال آیا اور دیکھا تو رضیہ غائب! پہلے ہم سمجھے کہ آس پاس کہیں ہوں گی۔ شاہد نے دوڑ دوڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنا اور پکارنا شروع کیا۔ رضیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اب ان کی امّاں جان نے رونا شروع کیا، میں بھی کچھ پریشان ہو گیا۔ میں نے شاہد سے کہا کہ امّاں جان کے پاس رہو اور خود نمائش کے دفتر میں گیا کہ وہاں کسی سے کہوں کہ میری لڑکی کھو گئی ہے۔ جیسے ہی وہاں پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی رضیہ کو کندھے پر سوار کیے، چلا آرہا ہے۔ رضیہ مجھے دیکھ کر میری طرف لپکیں اور میں نے انھیں گود میں لے لیا۔ دفتر میں جو صاحب تھے اُنھوں نے سارا قصّہ سُنا اور پھر مجھے رضیہ کو لے جانے کی اجازت دے دی۔"

رضیہ نے پوچھا:۔

"تو کیا آپ کو وہ روک بھی سکتے تھے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ میں پرائی لڑکی کو چُرا کر لے جانے نہیں آیا ہوں۔ ایسے لوگ بھی تو ہوتے ہیں جو لڑکیوں کو چُرا لے جاتے ہیں۔"

"ہائے، اللہ"

"خیر یہ تو ہو گیا مگر مجھے اُسی وقت خیال آیا کہ اس کا ایک بہت اچھا ڈراما بنایا جا سکتا ہے۔"

محمود نے کہا :-

"مگر دو برس کی بچی کیسے ڈراما کر سکتی ہے؟"

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اس لیے ہمیں قصّے کو ذرا بدلنا ہوگا۔ کچھ بڑھانا بھی ہوگا۔ مگر یہ تو تم سمجھ سکتے ہو کہ اس میں بہت سے ایسے موقعے اور اُن کے ساتھ ایسی کیفیتیں دکھائی جا سکتی ہیں جن کا دل پر بہت اثر ہوتا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں میں سے ہر ایک ڈرامے کا ایک قصّہ سوچے اور پھر جو قصّہ سب سے اچھا ہوگا اسے ہم ڈراما کر کے دکھائیں گے۔ اس کا تم کو خیال رکھنا چاہیے، کہ ڈرامے کی جان موقع اور کیفیت ہے۔ اور تمھارے قصّوں میں جتنے اچھے وہ موقعے اور کیفیتیں ہوں گی جن کی نقل کی جا سکتی ہے اتنا ہی اچھا ڈراما ہوگا۔ اچھا اب چلو تمھاری رضیہ کی امّاں نے ناشتہ تیار کیا ہے۔ اس کے بعد پھر بیٹھ کر ڈرامے کا قصّہ تیار کریں گے۔"

ڈرامے کا قِصّہ

ناشتے کے بعد پھر سب ماجد صاحب کے کمرے میں جمع ہوئے اُنھوں نے کہا:۔

"ناشتے کے وقت محمود کچھ چُپ چُپ تھے معلوم ہوتا ہے انھوں نے ڈرامے کے لئے کوئی قصّہ سوچ لیا ہے۔

محمود پہلے کچھ شرمایا۔ پھر اس نے کہا:" میں نے کسی کتاب میں ایک قصّہ پڑھا تھا کہ کچھ لوگ جنگل میں جا رہے تھے کسی بہت خطرناک جگہ پر ڈاکوؤں نے اُنھیں گھیر لیا مگر ایک لڑکے کی بہادری کی وجہ سے سب بچ گئے........"

رضیہ نے سر اُٹھایا اور دیوار کی طرف دیکھ کر کہا:۔

"اور اس لڑکے کا نام محمود تھا"

محمود نے اپنی بات کو اس طرح جاری رکھا کہ گویا اس نے کچھ سُنا ہی نہیں ہے:۔

"اصل بات یہ تھی کہ ڈاکوؤں کی سردار ایک عورت تھی جو مرد کا بھیس

بنائے تھی۔ اس نے ڈاکے ڈالنے اس وجہ سے شروع کیے کہ بچپن میں وہ بہت شریر تھی۔ سب کی مار کھایا کرتی تھی، اور جب وہ بڑی ہوئی تو اس کا بدلہ لینے کے لیے ڈاکو بن گئی"۔

"جی ہاں"

ماجد صاحب نے کہا:۔

ڈاکوؤں کے بہت سے قصّے ہیں۔ ایک لحاظ سے وہ سب ڈرامے کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ جنگل کا بھیانک منظر، مسافروں کا خوف، ڈاکوؤں کی وحشی صورتیں، ان کا بے گناہ مسافروں پر ظلم، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو ڈرامے کے لیے مناسب کیفیتیں پیدا کرتی ہیں۔ مگر ان کے ساتھ کوئی اچھا قصّہ بھی ہونا چاہیے۔ ابھی تم بچے ہو، تمھارے دل میں جنگل کے خیال سے ہی خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہر ڈاکو کی صورت ڈراؤنی ہوتی ہے۔ اُسے ظلم کرنے میں مزا آتا ہے۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تمھیں جنگل کے خیال سے ڈر نہ لگے گا۔ تم نے اتنے اچھے بُرے لوگ دیکھے ہوں گے کہ ڈاکو بھی تمھیں آدمی ہی معلوم ہوں گے۔ تب تم کہو گے کہ جنگل میں ڈاکوؤں نے مسافروں کو لوٹ لیا تو اس میں کون سی بات ہے کہ اسے ایک اچھا قصّہ سمجھا جائے۔ قصّے میں تو اور خوبیاں بھی ہونی چاہئیں جن سے آدمی اثر لے سکتا ہو۔ ایسے قصّے کو اچھا ڈراما بنانے کے لیے جنگل کے منظر کو بھیانک بنانے کی خاص کوشش کرنی چاہیے۔ مسافروں کے خوف کو اس طرح دکھانا چاہیے کہ وہ بناوٹی نہ معلوم ہو۔ اور اس واقعہ کا کہ ڈاکوؤں نے مسافروں کو لوٹ لیا کوئی مطلب کوئی مقصد ہونا چاہیے

جس سے معلوم ہو کہ یہ واقعہ کیوں بیان کیا گیا۔ کہو رضیہ کچھ سمجھ میں آیا؟"

رضیہ نے زور سے سر ہلا کر کہا :۔

"جی نہیں۔"

"خیر تو اب ہم ایک قصّہ بنالیں گے۔ اس سے تم سمجھ جاؤ گی۔ ہاں محمود تم نے کیا کہا تھا؟ ڈاکوؤں کی سردار ایک لڑکی تھی؟ یہ بات دلچسپ تو ہے مگر اس کی وجہ سے قصّہ بناوٹی معلوم ہوگا۔"

"جی ہاں، عورتوں میں اتنی ہمّت کہاں ہوتی ہے کہ ڈاکو بن سکیں۔"

نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ لیکن ڈاکو زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں۔ مجھے وہ بات زیادہ پسند آئی کہ یہ لڑکی بدلہ لینے کے لئے ڈاکو بن گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکو ایک قسم کا آدمی ہوتا ہے۔ جیسے شیر ایک خاص قسم کا جانور ہوتا ہے۔ اگر تم یہ دکھاؤ کہ کوئی اس وجہ سے ڈاکو ہو گیا کہ اس پر ظلم کیا گیا تھا تو اس میں خاص بات پیدا ہو جائے گی۔"

راشد کی آنکھیں ایک بارگی چمک اُٹھیں۔

"اچھا اور لڑکے کی باتیں سُن کر ڈاکو کو خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے لوگ مجھ پر ظلم کرتے تھے۔ ویسے ہی اب میں دوسروں پر کر رہا ہوں اور اسی وجہ سے وہ مسافروں کو چھوڑ دیتا ہے۔"

ماجد صاحب بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے کہا :۔

"بھئی واہ راشد یہ تو تم نے بہت ہی پتے کی بات کہی۔ اس سے تو ہمارا قصّہ بن گیا۔ لو اب میں تمھیں سارا سُنا دیتا ہوں اس کے بعد تم اپنی اپنی رائے دینا۔"

ماجد صاحب نے تھوڑی دیر تک اپنی آنکھیں بند رکھیں اور پھر

کہنے لگے :۔

"دہلی سے کچھ دُور میوات کی طرف ایک گاؤں تھا۔ اس میں ایک آدمی رہتا تھا جسے سب عیدو، عیدو کہتے تھے۔ یہ دل کا بہت اچھا مگر مزاج کا ذرا تیز تھا۔ اور اس کی گاؤں کے نمبردار اور پٹواری سے لڑائی ہوگئی۔ ان دونوں نے ایسا کچھ کیا کہ عیدو کی ساری زمین چھن گئی۔ اور وہ کسی الزام میں جیل خانے بھیج دیا گیا۔ عیدو کا اکلوتا لڑکا نواب جس کی عمر تقریباً سترہ برس کی تھی۔ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ باپ کے جیل جانے کے تھوڑے دن بعد اس نے نمبردار کے ایک ایسی لاٹھی ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور پھر وہ غائب ہوگیا۔ اس میں لیڈر بننے اور تنظیم کرنے کی بڑی صلاحیت تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے گرد چند آدمیوں کو جمع کیا اور ڈاکے ڈالنے لگا۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔ ایک مرتبہ اُسے معلوم ہوا کہ خزانے کی ایک تجوری جس میں کئی گاؤں کی مالگزاری ہے ایک خاص راستے سے جانے والی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ تجوری کے ساتھ سپاہی ہوں گے۔ مگر سپاہیوں اور پولیس والوں سے لڑنے میں اُسے خاص مزا آتا تھا۔ اس نے خزانے کو لوٹنے کا بڑی ہوشیاری سے انتظام کیا۔ اتفاق سے سپاہیوں کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ ایک بنیا، ایک زمیندار، ایک کسان جو اپنے بھائی، اپنی بیوی اور بارہ تیرہ برس کے لڑکے کے ساتھ لڑکی کے لئے جہیز کا سامان خریدنے جا رہا تھا۔ سپاہیوں میں اور نواب کے آدمیوں میں لڑائی ہوئی جس میں کچھ سپاہی مارے گئے۔ کچھ زخمی ہوئے اور پھر نواب نے قافلے کو گھیر لیا۔ نواب کے آدمی چاہتے تھے کہ قافلے کے سارے آدمیوں کو

مار ڈالیں جس میں اُن کے خلاف کوئی گواہی دینے والا نہ رہ جائے۔ لیکن لڑکے نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ نواب نے سب کو چھوڑ دیا اور دُنیا کی طرف سے اس کا دل ایسا صاف ہوگیا کہ اس نے چوری اور ڈاکہ ڈالنے سے توبہ بھی کرلی۔ کہو محمود قصّہ ٹھیک ہے ؟"

"جی ہاں ڈرامے کے لئے بہت اچھا رہے گا۔"

خالد نے کہا۔

"مگر اس میں کوئی ہنسی کی بات بھی ہونا چاہیے۔"

رضیہ بولی: "اور اس ڈرامے میں میں کیا کروں گی ؟"

"یہ سب سوچنے کی باتیں ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ ڈرامے اور قصّے میں کیا فرق ہے۔ قصّہ سُنایا جاتا ہے اور ڈراما دکھایا جاتا ہے۔ اس میں الگ الگ سین اور منظر ہوتے ہیں اور ہمیں ایسے واقعات کو جیسے کہ نواب کا رفتہ رفتہ بہت مشہور ڈاکو بن جانا اس طرح بیان کرنا ہوگا کہ وہ ڈراما دیکھنے والوں کو معلوم ہوجائے۔ مگر اسے الگ سے نہ دکھانا پڑے۔ قصّے میں جو باتیں پھیلا کر بیان کی جاتی ہیں انھیں ڈرامے میں سمیٹ کر چند منظروں میں دکھانا ہوتا ہے۔ اچھّا اب میں نے تم کو قصّہ سُنا دیا ہے اور وہ ڈرامے کے لئے مُناسب بھی رہے گا۔ کل دفتر کی چھُٹّی ہے میں بیٹھ کر ڈراما لکھوں گا اور پرسوں تم سب آجاؤ تو پھر اُسے دکھانے کی بات چیت بھی ہو جائے۔"

●

ڈرامے کا خاکہ

صبح اُٹھتے ہی رضیہ نے ماجد صاحب سے کہا :۔
"ابّا آج آپ ڈراما لکھیں گے نا ؟"
ماجد صاحب نے مُسکرا کر کہا :۔
"جی سرکار لکھوں گا۔"
رضیہ نے اپنی امّاں سے کہا :۔
"دیکھیے، امّاں آج ابّا جان کے پاس کوئی جانے نہ پائے اور آپ انھیں بازار بھی نہ لے جایئے گا۔"
"اچھا بھئی اچھا۔ آج تمھارے ابّا جان کو بالکل چھٹّی ہے۔"
ناشتے کے بعد ماجد صاحب سگریٹ پیتے ہوئے، اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رضیہ اُن کے پیچھے پیچھے گئی اور جب انھوں نے بہت سے کاغذ اپنے سامنے رکھ لیے اور لکھنے کو قلم اُٹھایا تو وہ چُپکے سے چلی آئی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جاتی اور جھانک کر دیکھتی کہ ابّا جان کیا کر رہے ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ وہ قلم سے ہی نہیں لکھتے، پنسل سے

کچھ بنا بھی رہے ہیں۔ جب اُس نے اُنھیں کئی مرتبہ یہی کرتے دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا۔ وہ اندر گئی اور دیکھنے لگی کہ ابّا جان کیا بنا رہے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ کئی کاغذوں پر کھنچوے کھینچے ہیں اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہیں۔

"ابّا جان یہ آپ نے کیا بنایا ہے؟"

ماجد صاحب اس کی طرف دیکھ کر مُسکرائے:۔

"یہ منظروں کے خاکے ہیں۔"

"منظروں کے خاکے؟"

"جی ہاں۔"

ماجد صاحب کچھ دیر سوچتے رہے۔ رضیہ ان کی میز کے پاس کھڑی رہی۔ پھر ماجد صاحب نے کہا:۔

"اچھا اب آپ تشریف لے جایئے اور مجھے اپنا کام کرنے دیجئے۔"

رضیہ نے کھیسیں نکالیں۔ کچھ مچلی، کچھ ٹھنکی اور جگہ سے نہیں ہٹی۔

"پہلے یہ بتا دیجیے، کہ آپ نے پنسل سے کیا بنایا ہے؟"

ماجد صاحب نے کھڑے ہو کر انگڑائی لی اور کمرے میں ٹہلنے لگے۔

آدمی جب کچھ کرنا چاہے تو اُسے پہلے سے سوچ لینا چاہیے کہ وہ اُسے کیسے کرے گا۔ ہم جب بازار جاتے ہیں اور پہلے سے سوچ لیتے ہیں کہ کون چیز کہاں سے لیں گے تو وقت بھی بچتا ہے اور پیسہ بھی۔ جب کبھی ہم پہلے سے طے کر کے نہیں جاتے تو ہر قدم پر سوال

اُٹھتا ہے کہ کدھر جائیں۔ تمہاری امّاں جان کچھ کہتی ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں۔ تم کچھ اور کہتی ہو۔ اسی میں جھگڑا ہوتا ہے۔ اب میں نے وعدہ کیا ہے کہ تم سب بچّوں کے لئے ڈراما لکھوں گا۔ یہ تو میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ ڈرامے کا قصّہ کیا ہوگا۔ میں نے اسے چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے ساتھ ہی یہ سوچ لیا ہے کہ ہر حصّہ یا سین کا پسِ منظر کیا ہوگا۔ سین اور پس منظر کا مطلب میں اُس وقت بتاؤں گا جب تم سب جمع ہوگے اب بس بھاگ جاؤ نہیں تو کام ختم نہ ہو پائے گا۔"

"تو آج شام تک آپ ضرور کام ختم کردیں گے؟"

"ہاں بس اب چل دو یہاں سے۔"

رضیہ اُچکتی ہوئی دروازے تک گئی پھر مُڑ کر کہا:۔

"نہیں ابّا ابھی بتا دیجئے!"

ماجد صاحب نے بناوٹی غصّے سے کہا:۔ "چل بھاگ یہاں سے۔"

رضیہ بھڑ سے دروازہ بند کرکے بھاگ گئی اور ماجد صاحب پھر لکھنے لگے۔

دوسرے دن شام کو ماجد صاحب دفتر سے واپسی پر اپنے دروازے کے پاس پہنچے تو بچّوں کا شور اور ہنسی مذاق سنائی دیا۔ وہ دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہوگئے۔ رضیہ کہہ رہی تھی:۔

"جناب، آپ لوگ ہیں کس خیال میں۔ یہ ڈراما آپ لوگوں سے نہیں کیا جائے گا۔ اس میں چار سین ہیں اور ہر سین کا ایک پس منظر ہے۔ میں نے امّاں سے پوچھا تھا۔ انھیں بھی نہیں معلوم کہ پس منظر کیا ہوتا ہے۔"

ماجد صاحب نے ہنس کر دروازہ کھولا اور کہا:۔

"اچھا آپ سب لوگ جمع ہو گئے!"

رضیہ کرسی کے ہتھے پر چڑھی بیٹھی تھی ایک پیر گدّی پر تھا دوسرا ہوا میں چکّر لگا رہا تھا۔ ابّا کو دیکھتے ہی وہ اچھلی اور گھر کے اندر غائب ہو گئی۔ ماجد صاحب مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں گئے اور منھ ہاتھ دھویا۔ پھر ڈرامے کا مسودہ لے کر آئے۔ جیسے ہی وہ بیٹھے رضیہ چپکے سے آئی اور ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ ماجد صاحب نے مسودے کو ترتیب دیتے ہوئے کہا:۔

"اچھا بھئی اب کام بہت ہے آپ لوگ ذرا غور سے سنئے آپ کو نواب ڈاکو کا قصّہ جو میں نے پچھلی دفعہ سنایا تھا، یاد ہے نا، اب میں نے اسے لکھ لیا ہے۔"

رضیہ بولی:۔

"جی ہاں اور اسے آپ نے چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہ سوچ لیا ہے کہ ہر حصّہ یا سین کا پس منظر کیا ہوگا۔ آپ نے کہا تھا کہ سین اور پس منظر کا مطلب میں اسی وقت بتاؤں گا جب تم سب جمع ہو جاؤ گے۔ تھی۔"

رضیہ دبک کر ماجد صاحب کی کرسی کے پیچھے چھپ گئی۔ ماجد صاحب نے کہا:۔

"یہ لڑکی ہے تو بڑی شیطان مگر بات ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ڈراما چار حصّوں میں ہے۔ اسے تقسیم کرتے وقت مجھے دو باتوں کا خاص طور سے خیال رکھنا تھا۔ ایک تو یہ کہ ہم آدمی بہت تھوڑے ہیں۔ دوسرے یہ کہ

ہمارے پاس سامان بہت کم ہے۔ میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ قصّہ سُنایا جاتا ہے اور ڈراما دکھایا جاتا ہے۔ دکھانے کے لئے ایک تو آدمی چاہئیں اور دوسرے جگہ۔ تم جانتے ہو ایسے آدمیوں کو کیا کہتے ہیں جو ڈراما دکھانے میں حصّہ لیتے ہیں؟"

محمود نے کہا:۔

"جی ہاں۔ انھیں اداکار یا ایکٹر کہتے ہیں۔"

رضیہ بولی:۔

"جیسے آپ"

ماجد صاحب نے کہا:۔

"ہاں اور جس جگہ ڈراما دکھایا جائے اُسے اسٹیج کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑا بھی ہوسکتا ہے اور بہت چھوٹا بھی۔ دسہرے میں رام چندر جی کی زندگی کے حالات، ان کا سیتا سے بیاہ، ان کی راون سے لڑائی وغیرہ سب دکھائے جاتے ہیں تو اسٹیج ایک بہت بڑا میدان ہوتا ہے۔ ہم ڈراما دکھائیں گے تو کسی کمرے کا ایک حصّہ ہمارا اسٹیج ہوگا۔ ڈرامے کے پہلے حصّے میں ہمیں دکھانا ہے کہ نواب ڈاکو کے باپ پر کیا گزُری۔ ہمیں تماشائیوں کو یہ بھی بتانا ہے کہ یہ واقعہ ہوا کہاں۔ گاؤں میں، کھیت میں یا راستے میں۔ ہم یہ کرسکتے ہیں کہ پیچھے ایک پردہ ڈال دیں جس پر گاؤں کی ایک بڑی سی تصویر بنی ہو۔ تصویر میں مکان ہوں۔ کچھ درخت ہوں۔ جیسے کہ گاؤں میں ہوتے ہیں۔ یا ہم گاؤں کی جگہ کھیت دکھا سکتے ہیں۔ مگر ان کی بھی تصویر بنانا ہوگی۔ ہم یہ بھی کرسکتے ہیں کہ صرف ایک پردہ ڈال دیں جس کا رنگ ایسا ہو جو قصّے سے مُناسبت رکھتا ہو۔

جیسے کالا رنگ ......"

راشد نے بات کاٹ کر کہا:۔

"جی ہاں اور اسے سیدھا لٹکانے کے بجائے ذرا ترچھا لٹکا دیجیے۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ آسمان ہے اور اس پر غم چھایا ہوا ہے۔"

ماجد صاحب نے بہت خوش ہو کر کہا:۔

خوب، راشد نے بہت اچھی بات کہی ..... اچھا یہ تو ایک سین یا منظر اور اس کا پسِ منظر ہو گیا۔ دوسرے پس منظر دکھانے میں بھی ہم کو ایسی تدبیریں کرنا ہوں گی۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی سوچنا تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ کتنے ایکٹر جمع کر سکتے ہیں اور ڈراما لکھتے وقت میں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے۔ اچھا اب ڈراما سُن لو۔"

ماجد صاحب نے ڈراما پڑھ کر سُنایا اور سب نے اسے بہت پسند کیا۔ سب چاہتے تھے کہ اسے جلد سے جلد کر کے دکھائیں۔ ماجد صاحب نے کہا:۔

"ہاں میں بھی چاہتا ہوں کہ اسے جلد دکھاؤں۔ ایک مہینے بعد رضیہ کی سال گرہ ہونے والی ہے اور ڈرامے کی تیّاری میں کم از کم ایک مہینہ لگے گا۔ میں اس درمیان میں دوستوں سے کچھ اور مشورہ کر لوں۔ پھر تیّاری شروع کریں گے۔ مگر بھئی ڈراما ایسا ہو کہ سب خوب تعریف کریں۔"

محمود نے کہا:۔

"جی ہاں انشاء اللہ بہت اچھا ہوگا۔"

رضیہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا:۔

"ذرا آپ کی صورت تو دیکھیے، چلے ہیں ڈراما کرنے!"



ڈرامے کی تیاری

ڈراما سُنانے کے تین دن بعد ماجد صاحب نے محمود، راشد اور خالد کو پھر اپنے ہاں بُلایا۔ اِس مرتبہ اِن کے پانچ ساتھی اور بھی بُلائے گئے۔ آزاد، محسن، احسن، یونس اور طیّب۔ یونس سب سے چھوٹا تھا۔ مگر سب جانتے تھے کہ وہ تیز بھی ہے۔ وہ رضیہ سے بھی چھوٹا تھا اور رضیہ اسی سے کچھ دبتی تھی۔ اس لئے کہ وہ بات بات پر لڑنے کو تیّار ہو جاتا تھا اور بہت زور سے مُکّے مارتا تھا۔ ماجد صاحب نے پہلے سب کی دعوت کی۔ اور سب کھاپی چکے تو کہا:۔

"اچھّا بھئی آج سے ڈرامے کی تیّاری شروع کریں گے۔ میں نے ڈرامے کی کئی نقلیں کرالی ہیں اور اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کِس کو کیا بننا ہے۔ یہی اس کا پارٹ ہوگا۔ نواب ڈاکو کے باپ عیدو کا پارٹ خالد ادا کریں گے۔ نواب ڈاکو کا پارٹ محمود، نمبردار کا ارشد، آزاد اس کسان کا پارٹ ادا کریں گے جو اپنی بیوی اور لڑکے کے ساتھ زیور خریدنے جاتا ہے۔ بنئے کا پارٹ محسن کریں گے، زمیندار کا احسن۔

کسان کا لڑکا یونس بنیں گے اور طبیب، نواب ڈاکو کے ایک ساتھی کسان کی بیوی رضیہ بنیں گی۔"

رضیہ بڑی زور سے چلّائی:۔

"جی نہیں، جی نہیں۔ میں نہیں بنوں گی۔"

رضیہ نے مچلنا اور ہاتھ پیر پٹکنا شروع کر دیئے مگر لڑکوں نے اُسے گھیر لیا اور ڈانٹ ڈانٹ کر کہنے لگے:۔

"آپ بنیں گی کیسے نہیں۔ آپ کو ضرور بننا پڑے گا۔ ماجد صاحب نے جو پارٹ مقرّر کیا ہے۔ وہ آپ کو ضرور کرنا ہوگا۔"

رضیہ نے لڑکوں کے تیور دیکھے تو چُپ ہو گئی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات اُسے بہت بُری لگی۔ ماجد صاحب نے اس کا کوئی خیال نہیں کیا اور کہا:۔

"اچھا آپ لوگ ڈرامے کی ایک نقل کیجیے۔ اس میں اپنا پارٹ آپ کو خوب اچّھی طرح سے یاد کرنا ہوگا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ پورا ڈراما بہت اچّھی طرح سے اور بار بار پڑھ لیں۔"

محمود نے کہا:۔

"جی ہاں جس میں کوئی آخر وقت میں اپنا پارٹ نہ کر سکیں تو اس کی جگہ لے سکیں۔"

ماجد صاحب نے کہا:۔

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ اگر آپ پورا ڈراما پڑھیں گے اور اس سے اثر لیں گے تو آپ اپنا پارٹ بہت بہتر ادا کر سکیں گے۔"

راشد نے پوچھا:۔

"تو پھر ماجد صاحب اب پہلی مشق کس دن ہو گی؟"

ماجد صاحب نے کہا:۔

یہ تو بھئی آپ لوگ مجھے بتائیے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلی مشق ہو تب بھی آپ لوگ کتاب دیکھے بغیر اپنے اپنے پارٹ ادا کر سکیں۔ میرے خیال میں آج سے ایک ہفتہ بعد، یعنی اگلے اتوار کو آپ سب لوگ تیار ہو کر آئیں۔"

اتوار تک سب نے اپنے اپنے پارٹ یاد کر لیے تھے اور ماجد صاحب بہت خوش ہوئے۔ رضیہ اپنا پارٹ کرتے ہوئے بہت شرمائی۔ مگر پارٹ اس کو بھی خوب یاد تھا۔ ماجد صاحب ساتھ ساتھ بتاتے بھی جاتے تھے کہ یہ بات اس طرح سے نہیں اس طرح سے کہو۔ ہاتھ یہاں رکھو۔ اس طرح اشارہ کرو۔ آخر میں ماجد صاحب نے کہا:۔

"بھئی مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ لوگوں میں ڈراما کرنے کی بہت بڑی صلاحیت ہے۔ اچھا اب میں نے جو کچھ بتایا ہے اُسے یاد رکھئے۔ اگلے اتوار کو پھر مشق کریں گے۔ اور اس کے بعد غور کریں گے کہ آپ کی شکل وصورت کیسی بنائی جائے اور لباس کیا ہو۔"

اگلے اتوار کو سب جمع ہوئے تو محمود نے کہا:۔

"ماجد صاحب آج مشق جلدی سے کرا دیجیے پھر ہمیں بتائیں کہ صورت کیسی بنائیں اور کپڑے کیسے پہنیں۔"

ماجد صاحب نے کہا:۔

"بہت اچھا، اب شروع کر دیجیے۔"

مشق کے بعد ماجد صاحب نے پھر سب کی تعریف کی اور کہا:۔

"اب ہمیں چاہیے کہ ایک ایک کر کے سب کی صورت شکل اور لباس کا

معاملہ طے کریں۔ اسٹیج پر سب سے پہلے عیدوُ آتا ہے۔ میرے خیال میں اسی سے شروع کرنا چاہیئے۔ کیوں خالد صاحب آپ اپنے لئے کیسی شکل صورت پسند کر۔ بن گئے ہ، آپ تو مشق کرتے وقت بھی اپنی کمر زرا جھکا کر۔ بوڑھے آدمی بن جاتے تھے۔ میری رائے میں اگر آپ کے ایک پگڑی باندھ دی جائے اور ہلکی سی داڑھی لگادی جائے تو آپ۔ بوڑھے محنتی کسان کا نمونہ بن جائیں گے۔ آپ کا لباس ایک سُوتی بنڈی اور دھوتی ہونا چاہیئے۔ کیوں ؟"

خالد نے کہا:۔

"جی ہاں یہ بالکل ٹھیک رہے گا۔ مگر داڑھی کیسے لگائیں گے ؟"

" داڑھیاں بازار میں بنی بنائی ملتی ہیں مگر مجھے یہ پسند نہیں ہیں۔ اور آپ کے لئے بہت بڑی بھی ہوں گی۔ میں نے بمبئی میں ایک دوکان کو لکھا ہے۔ وہاں سے وہ خاص طور سے تیّار کئے ہوئے بال بھیج دیں گے۔ اور ایک خاص قسم کا گوند جس سے وہ چپکائے جاتے ہیں۔ آپ داڑھی کی فکر نہ کیجیئے وہ تو ایسی لگ جائے گی کہ معلوم ہو بالکل قدرتی ہے۔ پہلے سین میں نواب کے داڑھی مونچھ لگانے کی ضرورت نہیں اور ان کا لباس ایک دھوتی ہوگی۔ مگر آپ نمبردار صاحب، آپ کی کیا شکل ہو؟"

محمود نے کہا:۔

" ماجد صاحب اور کچھ ہو یا نہ ہو اُن کی آنکھیں لال خونی ہونی چاہئیں۔"

ماجد صاحب نے کہا:۔

"کیوں بے چارے کی آنکھ میں پیاز ڈلوانا چاہتے ہو۔"

" جی نہیں، مگر اُن کی آنکھیں دیکھ کر ہی تو مجھے غصّہ آئے گا اور میں کھینچ کر لاٹھی ماروں گا۔"

ماجد صاحب نے کہا:۔

خیر تو یہ اپنی آنکھیں ذرا مل کر لال کر لیں گے۔ میرے خیال میں ان کی داڑھی مُنڈی ہوئی۔ مونچھیں خوب لمبی ہونی چاہئیں۔ جس میں یہ مونچھوں پر تاؤ دے سکیں۔ اِن کے سر پر گُلابی پگڑی ہو تو مُناسب رہے گا اور اس کے ساتھ ایک کُرتا اور دھوتی۔ کیا رائے ہے نمبردار صاحب، یہ شکل ٹھیک ہو گی؟"

راشد نے کہا:۔

"جی ہاں اور پیر میں ایک نیا لال جوتا بھی ہو تو اچھّا ہے"۔

ماجد صاحب نے کہا:۔

"بہت ٹھیک ہے۔ میاں آزاد کا لباس ایک معمولی کسان کا سا ہو گا اور یونس صاحب بہت آسانی سے کسان کے لڑکے بن جائیں گے۔ بنیے کا لباس میاں مُحسن جانتے ہیں کہ کیسا ہونا ہے"۔

مُحسن نے کہا:۔

"جی ہاں ایک میلی سے دو پلّی ٹوپی، میلا سا کُرتا، اِس کے اوپر ایک ڈھیلا ڈھیلا سا کوٹ، جو معلوم ہو کہ مانگے کا ہے۔ میلی سی دھوتی اور جگہ جگہ ٹکا ہوا شو جوتا"۔

راشد نے کہا:۔

"اور صورت سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ آدمی بہت مسکین ہیں۔ مگر آنکھوں میں بے مُروّتی ہونا چاہیے"۔

ماجد صاحب نے کہا:۔

"یہ تو نمونے کے بنئے کا بہت اچھّا سراپا ہے۔ اب رہ گئے زمیندار صاحب۔ ان کے لیے اچکن، ٹوپی، چوڑی دار پاجامہ مُناسب ہو گا۔

یہ فیشن ایبل بننا چاہیں تو چھوٹی چھوٹی مونچھیں بھی لگا سکتے ہیں مگر یہ ایسی نہ معلوم ہوں جیسی کہ قدرت پیدا کرتی ہے۔ بلکہ اس طرح کی جیسی کہ نائی تجویز کرتا ہے۔"

احسن کچھ شرما کر مسکرایا گویا اُسے یہ حلیہ پسند ہے۔

ماجد صاحب نے کہا:-

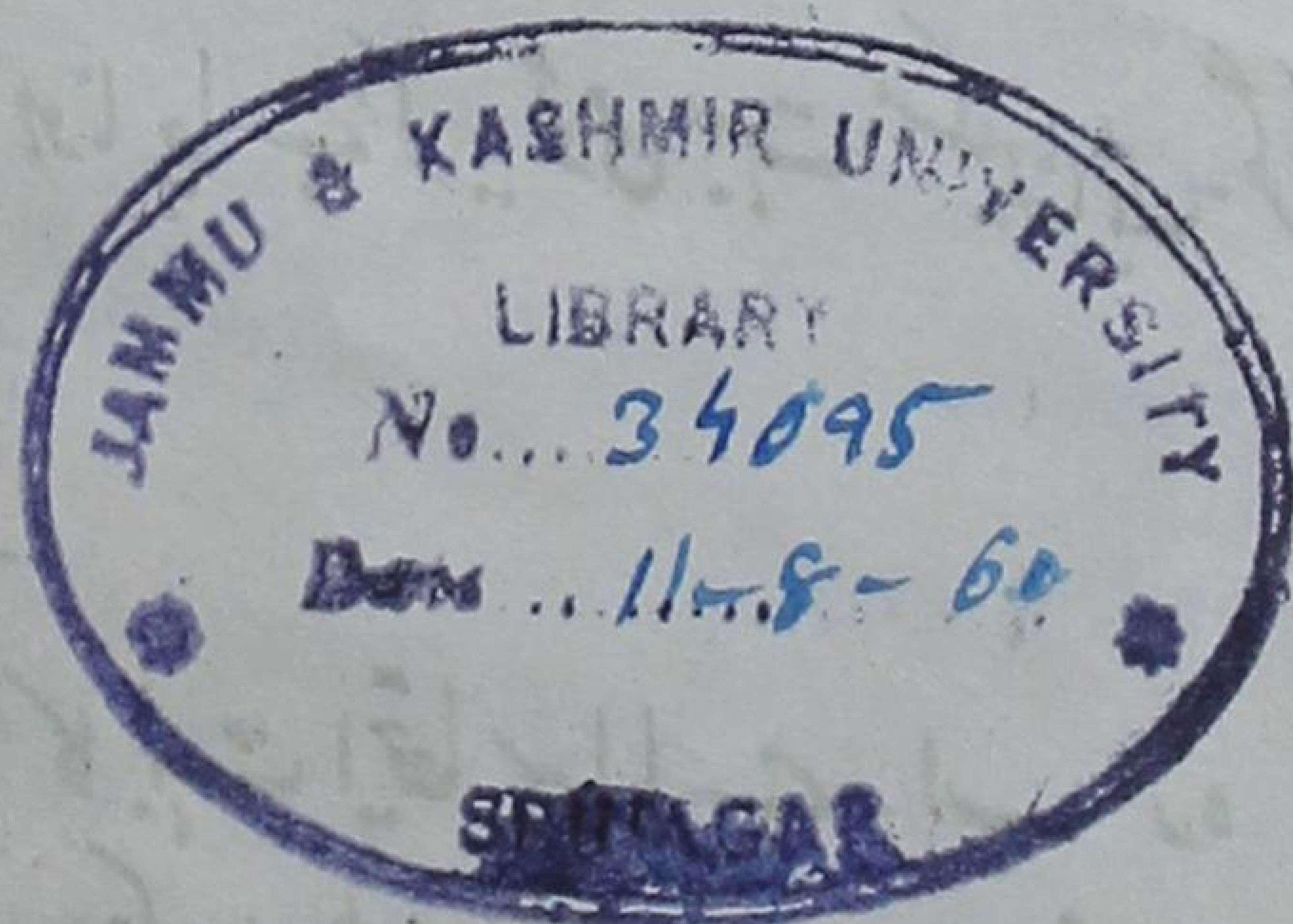
"اب رہ گئے نواب ڈاکو اور اُن کے ساتھی طبیب۔ انھیں میں کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ چاہیں تو ڈراؤنی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ چاہیں تو بھلے آدمیوں کی صورتیں۔ اِن کے لئے بندوقوں اور کارتوسوں کی پیٹیوں کا میں انتظام کر دوں گا۔"

محمود نے کہا:-

"ماجد صاحب آپ کسان کی جورو کو تو بھول ہی گئے"۔

رضیہ نے لپک کر محمود کا منہ نوچ لیا اور گھر کے اندر بھاگ گئی۔

●



(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)

بچوں کیلئے

چار اچھے ڈرامے

دیانت

یہ ڈرامہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا ہے۔ اب پانچویں بار مکتبہ جامعہ نے نہایت خوبصورت چھاپا ہے۔ اندر چار چار رنگ کی چار تصویریں آرٹ پیپر پر چھاپی گئی ہیں۔ کاغذ طباعت بہترین۔

قیمت :- ۸ر

محنت

اس ڈرامے میں دکھایا گیا ہے کہ نااہل مالدار ہو جانے کے باوجود زندگی میں ناکامیاب رہتا ہے۔ اور محنت سے کس طرح ایک معمولی آدمی کامیاب زندگی بسر کر سکتا ہے۔

قیمت :- ۴ر

پریم کی جیت

محبت اور پریم کا برتاؤ کیجئے تو بدھو جیسا شریر اور نٹ کھٹ لڑکا بھی نیک اور سیدھا بن سکتا ہے

قیمت :- ۴ر

آگ کی گیند

دو پُر از معلومات ڈرامے جن کو حبیب تنویر نے خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا ہے۔

قیمت :- ۶ر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی